# غالب اسٹڈیز

۱

عابد رضا بیدار

رامپور انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز

۱۸۰۶، کلاں محل، دہلی-۶

غالب اسٹڈیز ـ ۱

# غالبیات نو

عابد رضا بیدار

رام پور انسٹی ٹیوٹ آف اورینٹل اسٹڈیز

۱۹۶۹ء

# پیشگفتار

غالب پر اس پہلے دو مہینے کے عرصے میں کوئی درجن بھر کتابیں، اور تقریباً اتنے ہی رسالوں کے خاص نمبر سامنے آئے ہیں۔ ہندستان اور پاکستان دونوں جگہ غالب کے شایانِ شان صدی جشن منانے کا پروگرام تھا — مگر اور بھٹو چکر تو ایک بہانہ بن گیا، اصل میں غالب کو شرکتِ غیر کسی طرح منظور نہیں۔

پاکستانیوں نے جو اقبال پر بے محابا قبضہ جما کے اُسے اپنی جاگیر بنا لیا ہے تو غالب نے بھی سوچا ہوگا کہ اسے میاں اقبال ہی کے لیے چھوڑ دو۔ اپنی دلّی ہی بھلی!

اور یہ واقعہ ہے کہ ہندستان میں عموماً اور دلّی میں خصوصاً اس دھوم دھام سے صدی منائی گئی کہ سچ مچ غالب کو شہرتِ دوام اور قبولیتِ عام کی اگر تھوڑی بہت پیاس باقی بھی رہی ہوگی تو اب خوب سیر ہو لیے ہوں گے۔

غالب سے پہلے ہم نے ٹیگور کو بھی اسی دھوم دھام اور تزک و احتشام سے یاد کیا تھا لیکن ایک بین فرق یہ رہا، کہ ٹیگور اتنا گلی کوچوں کا نام کبھی بھی نہیں بنا جتنا کہ غالب!

یہ رُتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا!

کچھ غالبیات ملاحظہ ہوں؛ باقی پھر کبھی:

عابد رضا بیدار

# روزمرّہ اور محاورۂ غالب

پریم پال اشک کی ایک مفید کتاب ۳۲۰ صفحات پر مشتمل، اور غالب کی تفہیم کے سلسلہ میں ظفر ادیب کے ایک کار آمد، طویل پیش لفظ کے ساتھ دفتر اردو، دہلی سے شائع ہوئی ہے۔

"جانے بجنوری کس جذبے کے تحت کہہ گئے کہ مرزا نے اپنے دیوان میں محاورے کی بندش سے احتراز کیا ہے۔ اور تمام دیوان میں مشکل سے دس اشعار ایسے ہیں جن میں کوئی محاورہ باندھا ہے۔ میرے اس کام سے ان کے بیان کی واضح طور پر تردید ہوتی ہے۔"

(مقدمۂ مؤلف)

اس اعتبار سے یہ ایک بہت اہم کام سامنے آیا ہے۔ جس میں ایسے اردو اشعار کی تعداد بجنوری کے "دس" سے ساڑھے تین سو کے اوپر پہنچ جاتی ہے۔ اور، اردو نثر الگ رہی۔ اس کام کے لیے مؤلف کو بالاستیعاب غالب کا تمام اردو سرمایہ کھنگالنا پڑا ہے؛ اور اس محنت اور جستجو کے لیے وہ غالب دوستوں کے شکریہ کے مستحق ہیں۔ پہلے حصے، حصۂ نظم کے لیے انھوں نے نسخۂ مالک رام اور نسخۂ عرشی کو سامنے رکھا ہے؛ اس کے بعد قادر نامہ بھی شامل کر لیا ہے دوسرے حصے، حصۂ نثر، کے لیے اردوئے معلیٰ۔ عودِ ہندی، خطوطِ غالب (مہر) مکاتیب غالب (عرشی) اور غالب کی نادر تحریریں (خلیق انجم) کو سامنے رکھا ہے۔ (آخری ۹ اندراجات کے لئے قاضی عبدالودود (آئینۂ غالب) خواجہ احمد فاروقی (اردوئے معلیٰ) اور نقوش مکاتیب نمبر کو بھی کام میں لے آیا گیا ہے۔

بہتر ہوتا اگر نثر کے ان مآخذ کو الگ رکھنے کے بجائے ایک غیر منقسم چیز سمجھ کے استعمال کیا گیا ہوتا — صرف نثر کے طور پر، تاکہ الف تا یٰ کی محاوروں کی تقسیم بار بار نہ کرنا پڑتی؛ حوالے حاشیہ میں آتے جاتے۔ مگر شاید انھیں حوالوں کے بار بار اندراج کی الجھن سے بچنے کے لیے یہ آسانی چن لی گئی ہو؛ پھر ٹھیک ہے!

نثر کی بات تو یقیناً بالکل ہی اچھوتی ہے؛ مگر نظم کی حد تک بھی اس ہیئت میں آنے سے پہلے بالعموم ایک نظر میں یہ اندازہ نہیں ہوتا تھا کہ غالب نے بھی اچھے خاصے محاورے استعمال کر لیے ہیں، اور اس اعتبار سے غالبیات اور اردو لغات دونوں کے لیے آئندہ اس کتاب کو استناد کے طور پر استعمال کیا جاتا رہے گا۔ میرے کہنے کا مطلب یہ نہیں کہ یہ کوئی ایسا کام ہے جو کہ کوئی دوسرا نہیں کر سکتا تھا، لیکن جو کوئی بھی کرتا محنت طلب کام ضرور تھا۔ اسے دیکھ کے خیال آیا کہ غالب کے یہاں رعایت لفظی کے استعمال کی مثالیں بھی ایک کتاب نہ سہی ایک مقالہ کا موضوع ضرور بن سکتی ہیں؛ اور شاید اسی طرح تمثیلی شاعری کی مثالیں بھی (ناسخ و صائب کی طرح)۔ مگر رعایت اور تمثیل کی طرح محاورہ اور روزمرہ کے بارے میں بھی ایک سے زیادہ بار یہ سوچنا پڑے گا، کہ یہاں غالب نے محاورہ کی خاطر شعر کہا، یا شعر کی خاطر محاورہ لائے ہیں:

(مابودیم بدیں مرتبہ راضی غالب          شعر خود خواہش آں کرد کہ گردد فن ما)!

ایک زیادتی البتہ اس کتاب کے دونوں حصوں میں نظر آئی گر

تعداد زیادہ سے زیادہ ہو جائے اور اس کے لئے بعض غیر ضروری اندراجات بھی اس میں شامل ہو گئے ہیں، جو اس ذیل میں آتے نہیں۔ اگر اسے استناد کے لیے استعمال ہونا ہے تو نظر ثانی میں کم سے کم حصۂ نظم سے یہ غیر ضروری اندراج

صرف کر دینے مناسب ہیں؛ اس لیے اور بھی کہ غالب کی کوئی غلط تصویر نہ بن جائے! (حصۂ نثر پر بھی اسی طرح نظرِ ثانی کی جا سکتی ہے۔)

(۱) مثلاً صرف حرف الف کے محاورات میں:

آنکھ کھلنا:۔ تھا خواب میں خیال کو تجھ سے معاملہ!

جب آنکھ کھل گئی، نہ زیاں تھا نہ سود تھا

اس شعر سے مندرجہ ذیل معنوں میں لینا" واقف ہونا، آگاہ ہونا، حقیقت حال ظاہر ہونا" جب کہ اس شعر میں محاورہ نہیں ہے، سیدھا سادھا جاگ پڑنا ہے۔

اسی طرح:۔

ابر کھلنا۔ اپنے کو کھونا۔ اترنا (نگاہ جگر تک اتر گئی) اٹھانا (محفل سے) اٹھا لینا (مصیبت) احساں رہنا۔ ارمان نکالنا۔ انتظار ہونا۔ انسان ہونا۔

اس قسم کی مثالیں کتاب کے تقریباً ہر دوسرے تیسرے صفحہ میں مل جائیں گی جنھیں کم کیا جا سکتا ہے۔

(۲) بعض جگہ اندراج اور مثال میں تطابق نہیں ہو پایا۔ مثلاً:

باہر آنا کے معنی "گھر کے اندر سے نکل کر باہر آنا" لکھنے کے بعد یہ شعر:

عہدے سے مدح ناز کے باہر نہ آ سکا

گر اک ادا ہو تو اسے اپنی قضا کہوں

یہاں فارسی کے "از عہدہ بر آمدن" کا ترجمہ ہے (جو خود غالب نے بھی، اور ان سے پہلے میر و سودا نے بھی کئی جگہ کیا ہے۔

(۳) بعض جگہوں پر نہ صرف کہ اندراج غیر ضروری ہیں، بلکہ معنی بھی صحیح نہیں مثلاً: "ٹھہرا = ارادہ کرنا" ٹھہری یا ٹھہرا کے مناسب معنی "طے پانا، قرار پانا ہیں (یہی ٹھہری جو شرط وصل لیلیٰ) خود غالب کے مثال میں دیے گئے شعر میں بھی!

(وفا کیسی، کہاں کا عشق، جب سر پھوڑنا ٹھہرا الخ)

(۴) بعض تشریحیں اور تبصرے۔ مثلاً:

"جبیں گھسنا۔ خوشامد کرنا؛ گھستا ہے جبیں خاک پہ دریا مرے آگے؛
یہ محاورہ غالب کی ذہنی اُپج کا نتیجہ ہے۔"

یا:-

"جل کے راکھ کرنا: مٹ جانا:

ستّر برس کی عمر میں یہ داغ جانگداز جس نے جلا کے راکھ مجھے کر دیا تمام

غالب نے یہاں محاورہ غلط باندھا ہے۔ دراصل محاورہ جل کے خاک ہو جانا ہے جس کے معنیٰ ہیں مٹ جانا، جل کے راکھ کرنا نہیں۔ ثبوت کے لیے دیکھئے 'مہذب اللغات'"

یا:-

"ڈھانپنا؛ عیوب پر پردہ ڈالنا: ڈھانپا کفن نے داغ عیوب برہنگی الخ:
یہاں غالب نے روزمرہ کا غلط استعمال کیا ہے۔ ڈھانپنا غم کے لیے مخصوص ہے اور ڈھانکنا چھپانے کے لیے۔"

یا:-

"جھرّی پڑنا: بڑھاپے کے آثار نمایاں ہونا: منہ پہ گر جھری پڑی آز ننگ ہمان الخ
یہاں غالب نے روزمرّہ غلط استعمال کیا ہے، روزمرّہ 'جھریاں پڑنا ہے۔'"

یا:-

نقش کھینچنا: نقش کو اسکے مصور پر بھی کیا ناز ہیں؛ کھینچتا ہے جسقدر اتنا ہی کھنچتا جائے ہے
غلط استعمال، روزمرّہ کھینچنا نہیں، بلکہ نقش کرنا ہے۔"

—— یہاں تک لکھنے کے بعد خیال آیا کہ بات کو تشنہ کیوں چھوڑا جائے؛ وہ اندراجات جو میری رائے میں مختلف وجوہ سے نامناسب ہیں یہاں درج ہی کیوں

نہ کر دوں، مختلف وجوہ سے میری مراد یہ ہے کہ:

یا تو وہ محاورہ، روزمرہ، قسم کی چیز ہے ہی نہیں، یا فارسی ترکیب کا اردو جامہ ہیں، یا ان کے معنی غلط سمجھے گئے، یا اندراج اور شعری مثال میں جوڑ نہیں بیٹھتی یا شعر کے معنی غلط سمجھے گئے، یا شاعر نے تو لفظی معنی لیے ہیں اور مرتب نے مرادی، یا شعر میں جس طور سے اس کا استعمال ہوا ہے، اندراج میں اس میں قابل لحاظ ترمیم ہو گئی ہے، یا مطلق نوعیت میں اندراج محاورہ ہی کیوں نہ ہو، مگر شاعر کے یہاں وہ قطعی طور سے محاورہ بن کے نہیں آیا ہے —— وغیرہ

**بالترتیب :-**

آسمان ہونا - آنکھ کھلنا - ابر کھلنا - اپنے آپ کو کھونا - اترانا - اٹھالینا - ارمان نکالنا - افسوس کرنا - انتظار ہونا - انسان ہونا - باہر آنا تپانا - برہم کرنا - بو آنا - بے چین رکھنا - بیان کرنا - بھاگنا - لُبھانا - بوسہ لینا - بکنا - دوڑتا پھرنا - جاں نثار کرنا - جبیں گھسنا - ڈھانپنا - دھوکا کھانا - راضی ہونا - رضامند کرنا - روزہ کھانا - روندی ہوئی ہونا - زبان سوکھنا - زخم سلوانا - سانس نہ لینا - سایہ بھاگنا - سمجھنا - سونپنا - سیر کرنا - شامت آنا - شرم آنا - شرما جانا - شرمندہ رکھنا - شفا پانا - شکر کرنا - شور اٹھانا - عبادت کرنا - عذر لانا - عہد باندھنا - عہد توڑنا - غم کھانا - غنچہ کھلنا - فریب کھانا - قبول کرنا - قسم کھانا - قصہ ہونا - کچھ نہ کہنا - کچھ نہ ہونا - کچھ نہ کیا - کندھا بدلنا - کھٹکنا - کھینچ لینا - کھینچے پھرنا - گانٹھ ڈالنا - گزر کرنا - گم کرنا - گوں - لاگ ہونا - لڑکوں کا کھیل ہونا - ماننا - محو ہو جانا - مرنا - مر جانا - مزہ پانا - مفت ہاتھ آنا (اسی مثال سے دوسری جگہ ہاتھ آنا!) موتی پرونا - مقبول ہونا - مہربان ہونا - ناز کھینچنا - نالہ کرنا - نظر آنا - نالہ کھینچنا - نقش کھینچنا - نکما کر دینا - نوابی کرنا - ہاتھ لگانا - ہائے ہائے کرنا - ہاتھ آنا (دو معنوں میں) ہوا نکلنا - ہوش جانا - یاد آنا - آنکھیں ڈھانپنا۔

جواب دینا۔ حنا باندھنا۔ خواب میں نہ دکھانا۔ دو چار۔ صبح و شام خیال رہنا۔ قسم لینا۔ بیمائی کرنا۔ ارادہ کرنا۔ ارادہ ہونا۔ بیٹھ رہنا۔ پھاند جانا۔ جھڑی پڑنا۔ حاصل ہونا۔ قدر ہونا۔ یاد رکھنا۔

—— ایک اندراج عجیب و غریب نظر پڑا۔

"ہوا نکلنا: گوز سرزد ہونا ... :

نہ پوچھ سینۂ عاشق سے آبِ تیغِ نگاہ
کہ زخم روزنِ دل سے ہوا نکلتی ہے

—— اس سب کے باوجود، یہ اپنے موضوع پر اچھوتی، اور اس لیے اہم کتاب ہے، اور نظرِ ثانی ہو جانے کے بعد استناد کے لیے بھی استعمال میں آنے والی کتاب ہے۔

○

محاوراتِ غالب کے عنوان سے نریش کمار شاد کی ۳۰ صفحے کی کتاب جو ۱۹۶۷ء میں کتب خانہ انجمن ترقی اردو، دہلی" سے شائع ہوئی —— اسے پریم پال اشک کی کتاب کا نقشِ اول سمجھنا چاہیے، اگرچہ اس کا اظہار نہیں کیا گیا ہے، جو ادبی کاموں میں ضروری بھی ہے، مستحسن بھی!

نریش کمار شاد نے محاورہ، مطلب، اور محلِ استعمال کے تین کالم بنا کے محاورہ اور شعر یا نثر کا اقتباس نقل کر دینے پر اکتفا کیا ہے؛ تبصرے وغیرہ کا کوئی سلسلہ نہیں ہے۔ اسی سبب سے ضخامت نسبتہً کم ہے۔ مزید بہتر ہوتا اگر کتاب کے مقدمہ نگار مالک رام صاحب (مقدمہ ص ۳ تا ص ۶) کے مشورہ کو پیشِ نظر رکھ کر فہرست کو اور گھٹا دیا ہوتا، یا تو کسی سے مشورہ کرنا ہی نہیں چاہیے ورنہ پھر، اگر آپ واقعی اس مشورہ کی کوئی قدر کرتے ہیں اور اسے مہمل نہیں سمجھتے

تو اس کے مطابق عمل کرنا چاہیئے؛ بصورتِ دیگر آپ نے اُسے لغو اور لایعنی سے زیادہ کا درجہ نہیں دیا۔

مقدمہ نگار نے لکھا ہے:

"شادؔ صاحب نے اس مجموعہ میں بعض ایسے الفاظ بھی لے لیے ہیں جو محاورے کی تعریف میں نہیں آتے۔ غالبؔ نے انھیں اپنے عام لغوی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس طرح کے الفاظ پر اصطلاح محاورہ کا اطلاق نہیں ہوتا۔"

دوسرے یہ کہ:

"غالب نے کئی جگہ فارسی محاوروں کا اُردو ترجمہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ ان میں سے کچھ بازار کا سکّہ بن گئے، لیکن بیشتر ٹکسال باہر قرار پائے۔ اس لیے ایسے محاورے گو وہ غالب ہی کے ہاں آئے ہیں ہمارے لیے سند نہیں ہو سکتے۔ محاورے کی پہلی شرط یہ ہے کہ وہ اہلِ زبان کا مسلمہ ہو۔"

(اُردو میں اس قسم کی مقدمہ نگاری کی یہ نادر اور قابلِ تقلید مثال ہے، جس میں دیانتداری کو مروت پر قربان نہیں کیا گیا؛ ساتھ ہی مؤلف شادؔ کی شرافت و ایمانداری کی دلیل بھی۔

اس قسم کے اندراجات اس کتاب میں سے حذف کر دینے سے کتاب کی اہمیت اور بڑھ جاتی، اور یہ تعداد میں کل کا تقریباً نصف ضرور ہوں گے مثال کے طور پر صرف حصۂ الف میں پچاس اندراجات میں مندرجہ

ذیل حذف کر دینے تھے:-

آبرو بڑھانا[۱]۔ آبرو جانا[۲]۔ آرام دینا[۳]۔ آرام سے بیٹھنا[۴]۔ آرام سے ہونا[۵]۔ آرزو خرامی[۶] (ترکیب یا محاورہ!!) آرزو رہ جانا[۷]۔ آشان سمجھنا[۸]۔ آغاز و انجام

جاننا[9]۔ آفتاب[10] لب بام ۔ آگ[11] بجھانا۔ آگے پہنچنا[12]۔ آگے چلنا[13]۔ آئینۂ انتظار کو پرداز[14] دینا۔ اپنے کو کھینچنا[15]۔ اجیرن[16] ہونا۔ اچھا[17] کہنا۔ احسان اٹھانا[18]۔ احسان[19] رہنا۔ اختیار[20] ہونا۔ ارزانی[21] رہے ۔ ارمان نکلنا[22]۔ اڑتی سی خبر[23]۔ اس[24] شکل سے۔ اشارہ[25] پانا۔ اشتعال[26] کا دفتر کھلنا۔ اعتبار مٹنا[27]۔ اعتبار[28] ہونا۔ الٹا[29] پھر آنا ۔ انتظار کھینچنا[30]۔ انتظار[31] ہونا۔ انسان[32] ہونا۔ انصاف[33] ہونا۔ ایجاد کرنا[34]۔ ایسی ہی کچھ بات[35] ہے۔

—— خوشی کی بات ہے کہ نقش ثانی میں نقش اول کے مقدمہ نگار کے مشورے کا اچھا خاصا لحاظ رکھا گیا ہے۔

## غالب اور ابوالکلام

اُردو کے معروف مصنف (اور یہ مصنف کا لفظ استعمال کر کے مجھے بے حد خوشی ہوئی ہے کہ موجودہ اُردو ادب میں کم سے کم تین چار مصنف تو ہیں ہی؛ جو مضامین اور مقالے نہیں کتابیں تصنیف کرتے ہیں،) عتیق صدیقی کی کتاب "غالب اور ابوالکلام" کے نام سے مکتبہ شاہراہ نے شائع کی ہے، جو اپنے گٹ اپ، اور طباعت کے اعتبار سے لیتھو میں چھپی ہوئی، اس سال کی نہیں، بلکہ شاید کبھی سال کی بہترین کتاب ٹھہرے گی۔ مصنف اس بار مرتب بن کر سامنے آیا ہے۔ اور یہاں بھی اس نے باسلیقہ ترتیب کا معیار قائم کرنے کی اچھی کوشش کی ہے

۲۵۰ صفحات پر مشتمل اس کتاب کے دو حصے ہیں۔ پہلے میں ایک تو مولانا آزاد کا ایک طویل مقالہ ہے "مرزا غالب مرحوم کا غیر مطبوعہ کلام" جو الہلال سے لیا گیا ہے۔ پھر الہلال و البلاغ میں مولانا نے جو غیر مطبوعہ کلام شائع کیا، اُسے

پیش کیا گیا ہے۔

دوسرا حصہ غلام رسول مہر کے نام مولانا کے مکاتیب جو "نقش آزاد" کے نام سے کئی سال ہوئے، شائع ہوئے تھے، اور جن کے آخر میں غالب کا سیکشن قائم کرکے مولانا مہر نے اپنی کتاب "غالب" پر مولانا آزاد کی تمام یادداشتوں، تنقیدوں، ترمیموں اور اضافوں کو یکجا کر دیا تھا۔۔۔ وہ سب کچھ کسی قدر نئی ترتیب کے ساتھ یہاں پیش کیا گیا ہے۔ گویا یہ کتاب غالب پر ابوالکلام آزاد کی تصنیف ہے۔ جس پر اس کثرت سے حواشی دیئے گئے ہیں کہ مرتب کی محنت مصنف کے برابر ہی پہنچ گئی ہے۔ حواشی کی اس کثرتِ جلوہ میں ان کے حریفِ غالب اس وقت صرف مالک رام ٹھہرتے ہیں جو مولانا کی دو کتابیں اس سے بھی زیادہ محنت اور سلیقہ سے مرتب کر چکے ہیں؛ حواشی بیشتر مفید اور کارآمد ہیں؛ لیکن روش مالک رام والی (اگر حواشی کی اتنی ہی کثرت رکھنی ہے!) ویسے حواشی کے سلسلہ میں گزارش میری یہی رہتی ہے کہ (قدرِ کمتر ازیں!) زیادہ مناسب ہے کہ متن ختم کرکے آخر میں دیئے جائیں تاکہ جس حاشیہ کو جو کوئی پڑھنا چاہے پڑھ لے اور متن میں بھی کنفیوژن نہ ہو۔

"نقش آزاد" کی ترتیب نو کا انداز یہ ہے؛ کہ مہر کی کتاب کے متعلقہ اقتباسات بھی دیئے گئے ہیں تاکہ تبصرہ کا سیاق و سباق سمجھ میں آسکے۔ یہ متفرق یادداشتیں مسلسل نہیں، دو ڈھائی سال کے عرصہ میں، مختلف اوقات میں لکھی گئی تھیں، اس لیے قدرتاً ان میں کوئی ربط پیدا نہیں ہو سکتا۔ یہ ربط لانے کے لیے "نقش آزاد" کی عبارتوں میں تقدیم و تاخیر ناگزیر تھی، اس قسم کی ترتیب نو آٹھ دس سال ہوئے، رئیس احمد جعفری نے "انڈیا ونس فریڈم" کی بھی کی تھی۔

آخر میں ایک نعمت غیر مترقبہ 'انتخاب غالب' بھی ہے۔ اس میں سو کے قریب غالب کے اردو فارسی اشعار ہیں جو مولانا نے اپنی تحریروں میں استعمال کئے ہیں، میں

نے مقابلہ نہیں کیا لیکن، مالک رام کی کتاب ببلیوگرافی میں مصنف نے دی ہے جس سے ان کی مراد یہی ہوگی کہ اشعار کا بڑا حصہ ان کی کتابوں سے لیا گیا ہوگا۔ خود الہلال کا ان کا اپنا مطالعہ اس میں اضافہ کا سبب بھی بنا ہوگا۔

یہ انتخاب دلچسپ چیز ہے، اور بہتر ہو اگر اس کی تکمیل کی جائے، اور اسی مقصد کے لیے کوئی ان کی تصانیف کا بالاستیعاب مطالعہ کرے تو غالب کا یہ انتخاب دوگنا تو ہو ہی جائیگا۔ سُنا ہے اجمل خاں نے وہ سارے اشعار یکجا مرتب کرلیے ہیں، جو مولانا نے اپنی تحریروں میں استعمال کیے ہیں۔

دو ایک باتیں توجہ طلب ہیں، جن پر اگلا ایڈیشن تیار کرتے وقت نظر رہے تو مناسب ہوگا:

(۱) شیرازہ (سرینگر) کی اپریل کی اشاعت میں غالب اور ابوالکلام کے سلسلہ کی ایک اور دلچسپ کڑی ملتی ہے جو اس الہلال کے مقالہ سے قدیم تر ہے! اور اگرچہ اس کی نوعیت اس قسم کی نہیں جیسے یہ مقالہ ہے، تاہم غالب کا نوٹس ہے اور ابوالکلام کے قلم سے! اور کتنا پہلے!!! یہ نومبر ۱۹۰۲ء کی بات ہے!

اس میں مولانا نے لکھا ہے:

"سرسید احمد خاں مرحوم نے جب اپنے ابتدائی زمانے میں آئین اکبری کی تصحیح کی، اور اسے طبع کیا تو مرزا اسداللہ خاں غالب مرحوم سے تقریظ کی فرمائش کی۔ مرزا صاحب یورپ کے دلدادہ تھے، اور "آئین اکبری" کو ایک فضول کتاب سمجھتے تھے۔ انھوں نے سرسید کی خاطر تقریظ تو لکھ دی اور منظوم لکھی، لیکن اظہار رائے سے دامن نہ بچا

سکے۔ تقریظ کا پہلا شعر یہ ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اس کے بعد انھوں نے انگریزوں کے آئین اور ایجادات کی تعریف کی ہے، اور اس کتاب میں سرسید نے جو عرق ریزی کی تھی اُسے شاعرانہ پہلو سے فضول بتلایا ہے، اور چند شعر سرسید کی مدح میں لکھ کر تقریظ ختم کر دی ہے۔ سرسید نے جب تقریظ دیکھی تو بہت ناراض ہوئے اور کتاب کے ساتھ شائع نہیں کی۔"

غالب اور ابوالکلام کی عمومی نسبت سے ہٹ کے بھی اس نوٹس کی اس لحاظ سے بھی بڑی اہمیت ہے کہ جہاں تک یاد پڑتا ہے، غالب کی اس تقریظ کی اہمیت کو ہندستان میں آزادی سے پہلے کسی نے قابلِ اعتنا ہی نہیں سمجھا۔ احتشام حسین نے پہلی بار اب سے پندرہ بیس سال پہلے اس کی عظمت کو محسوس کر کے تفصیلی طور پر تجزیہ کیا تھا ("اردو ادب": ۱۹۵۲ء) اور اب غالب صدی کے دوران تو بار بار اس کا چرچا رہا ہے۔

(۲) کتاب کے شروع میں مرتب نے "غالب اور ابوالکلام: ایک مطالعہ" کے عنوان سے مقدمہ خود لکھا ہے۔ جس میں دونوں اکابر کے مزاج اور ان کی افتادِ طبع کا تجزیہ دل چسپ اور خوبصورت اسٹائل میں کیا گیا ہے۔ لیکن یہاں اپنی روش کے برخلاف انھوں نے مستفاد کتابوں میں سے بعض کے حوالے نہیں دیئے یا تو یہ سہوِ قلم ہے، یا کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اپنی دل چسپی کے موضوع پر بعض تحریریں پڑھنے کے بعد یہ بات ذہن نشین نہیں رہتی کہ یہ نکتہ اس جگہ پڑھا ہے، اس کے بجائے دماغ اُسے ایک نئی ترتیب دے کر اس انداز پر لکھنے والے کو باور

کرتا ہے کہ ایسا خود اس کے قلم سے نکلا ہے۔ دونوں صورتیں ممکن ہیں، اور بشریت کی دلیل ہیں۔ لہٰذا، اگلے ایڈیشن میں بہرحال اس کا ازالہ ہو سکتا ہے۔ مثال کے طور پر "اُردو ادب" آزاد نمبر کی مندرجہ ذیل عبارت سے مقدمہ میں استفادہ موجود ہے!

"اسے تاریخ ادب کا معجزہ ہی کہیے کہ اُردو شاعری نے ۱۹ویں صدی میں ایک ۲۵ سالہ نوجوان کے ہاتھوں جو برگزیدگی حاصل کی تھی، اُردو نثر نے ویسی ہی عظمت، بیسویں صدی میں ایک اور ۲۵ سالہ نوجوان کی بدولت حاصل کی۔ نسخۂ حمیدیہ کا غالب اور الہلال کا آزاد، ان دو شخصیتوں نے شعر اور نثر کو نیا جسم دیا اور انھیں پروان بھی چڑھایا، نئی توانائیوں کے ساتھ!
...... اصلاً دونوں نواحِ دہلی کے باشندے تھے (پانی پت اور آگرہ)؛ دونوں دہلوی نسبت کو پسند کرتے تھے؛ دونوں میں انانیت، خود پرستی، خود رائی اور برگزیدہ بننے کا جذبہ مکمل طور پر کارفرما تھا؛ اور دونوں نے اپنی آخری آرام گاہ کے لیے دلّی کو چُنا؛ نظام الدین اور جامع مسجد؛ دونوں کو شکایت تھی کہ زمانے سے پہلے پیدا ہو گئے؛ آزاد نے کسی شاعر کے ساتھ عقیدتمندی دکھائی تو وہ غالب ہی تھے۔ آواگون میں یقین رکھنے والا کوئی دوسرے جنم کا قائل ہو تو نہ جانے کیا کیا کڑیاں ملا بیٹھے!....
۱۹۴۲ء میں دلّی کے جیل خانہ میں بند رہے تو آصف علی سے اس بات کی بھی تصدیق کی کہ غالب بھی یہیں اسیرِ زنداں رہے تھے!!

(اُردو ادب: آزاد نمبر)

اور غالب اور ابوالکلام کے مرتب نے اپنے مقدمے میں لکھا ہے:۔

"اس سلسلہ میں یہ بھی قابل ذکر ہے کہ مرزا غالب اور مولانا آزاد دونوں کو دہلوی نہ ہونے کے باوجود اپنے دہلوی ہونے پر اصرار تھا۔ اسی طرح غالب نے اپنی زندگی کا بیشتر اور مولانا نے اپنی زندگی کے کم از کم آخری دس بارہ سال دہلی ہی میں بسر کیے اور بالآخر دہلی میں دونوں کی آخری آرام گاہ بنی۔

"میرزا غالب کی وفات اور مولانا آزاد کی پیدائش میں زیادہ نہیں صرف ۱۹،۱۸ سال کا فرق ہے؛ آواگون کا کوئی قائل ہو تو اسے گمان ہو سکتا ہے کہ غالب ہی کی بیقرار روح نے مولانا آزاد کے قالب میں دوبارہ جنم لیا تھا۔

"مرزا غالب اور مولانا ابوالکلام کے باہمی ربط کا ایک اتفاقی مگر عمدہ ثبوت یہ بھی ہے کہ جس قید خانے میں مرزا غالب نے ۱۸۴۷ء میں اپنی قید کی مدت گزاری تھی ۱۹۳۳ء (میں) مولانا آزاد کو بھی اسی جیل خانے میں رکھا گیا۔ وہ لکھتے ہیں:۔

۱۹۳۳ء میں جب میں دہلی سنٹرل جیل میں تھا تو مجھے خیال ہوا کہ مرزا غالب بھی اسی قید خانے میں رکھے گئے تھے؟ آصف علی صاحب سے اس کا ذکر کیا تو انھوں نے کہا کہ غدر سے پہلے بھی یہی قید خانہ تھا۔ یقیناً اسی احاطے کے کسی حصے میں مرزا غالب بھی اسیر رہے ہوں گے۔"

(۲) مرتب نے لکھا ہے:

"۷ ارجون ۱۹۱۲ء کے الہلال میں مولانا آزاد نے مرزا غالب مرحوم کا غیر مطبوعہ کلام کے عنوان سے ایک طویل اداریہ لکھا تھا۔ مولانا آزاد کا یہ مقالہ ...... یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ الہلال کے جو ان گنت مجموعے اب تک شائع ہوئے ان میں سے کسی میں بھی اسے جگہ نہیں مل سکی ..... ادبی

مضامین کی طرف کسی نے بھی توجہ نہیں دی ہے۔ اس لحاظ سے مولانا آزاد کا یہ مقالہ یقیناً خاصے کی چیز ہے۔"

اگر اس سے ان کی مراد اتنی ہی ہے کہ مولانا آزاد کے کسی مرتب مجموعۂ مضامین میں نہیں آیا تو صحیح ہے۔ لیکن اگر یہ بھی بین السطور میں کہنے کی کوشش ہے کہ اس مقالہ کا نوٹس ہی اس سے پہلے نہیں لیا گیا تو یہ صحیح نہیں ہے۔" اردو ادب آزاد نمبر" ہی میں مندرجہ ذیل اندراج ملاحظہ ہو:۔

"۱۷ جون ۱۹۱۴ء کے الہلال میں مرزا غالب کا کلام "کرتا ہے چرخ روز بصد گونہ احترام" اس قصیدہ کا مکمل متن مع تمہید، تجزیہ اور تاریخ کے تعین میں مولانا نے اس میں بچکانہ غلطیاں کی ہیں۔ مولانا مہر کے توجہ دلانے پر خود مولانا نے اس کا اعتراف کر لیا تھا"

(۳) اس مقالہ پر مرتب کا جو طویل حاشیہ تاریخ کا تعین اور ریل کے اجراء کے سلسلہ میں ہے، آزاد نمبر میں یہ بحث بھی موجود ہے۔

(۴) مرتب نے لکھا ہے:

"آج سے ۵۵ سال قبل ۱۹۱۴ء میں انھوں نے الہلال کی تین اور البلاغ کی ایک اشاعت میں مرزا غالب کا غیر مطبوعہ کلام شائع کیا؛ اس کی تفصیل ہے:

قصیدہ در مدح میکلوڈ بہادر: "کرتا ہے چرخ روز بصد گونہ احترام"
(الہلال جلد ۴ نمبر ۲۴، ۱۷ جون ۱۹۱۴ء)

غزل: ممکن نہیں کہ بھول کے آرمیدہ ہوں
(الہلال جلد ۵: نمبر ۱ یکم جولائی ۱۹۱۴ء)

غزل و قطعہ : شب وصال میں مونس گیا ہے بن تکیہ

(الہلال جلد ۵ نمبر ۴، ۲۲ جولائی ۱۹۱۴ء)

قصیدہ در تہنیت غسل صحت نواب یوسف علی خاں :

مرحبا اے (کذا) سال فرخی آئیں (البلاغ جلد ۱، نمبر ۷، ۱۳ مارچ ۱۹۱۶ء)

مذکورہ بالا آزاد نمبر میں یہ چاروں حوالے بھی موجود ہیں۔

تاہم یہ معمولی امور اس دیدہ ریزی سے مرتب کی ہوئی کتاب کی جو اپنی قدر و قیمت ہے اُسے کم نہیں کرتے۔ خصوصاً غالب کی اہمیت کا نقش بٹھانے میں آزاد کے اس مقالہ کا جو حصہ ہے اس کا جیسا عمدہ تجزیہ مقدمہ میں ملتا ہے، وہ لائق تحسین ہے۔ بیان کی شگفتگی نے، جو محققوں کے یہاں ایک جنس کمیاب ہے، مقدمہ کو اور زیادہ دلآویز بنا دیا ہے۔ اور وہ بات جو میں نے شروع میں کہی تھی پھر دہرا دوں کہ ترتیب و طباعت کا جیسا اعلیٰ معیار اس کتاب نے قائم کر دیا ہے، اس سے سبقت لے جانے کی کوشش اُردو کے لیے ایک نیک فال ہوگی۔ غالبیات میں اس کتاب کی اشاعت سے ایک خوبصورت اور اہم اضافہ ہوا ہے۔

## بھوپال اور غالب

عبدالقوی دسنوی جو سیفیہ کالج بھوپال سے متعلق ہو جانے بعد سے "اقبال اور بھوپال" اور سیفیہ مجلّے کا بھوپال نمبر پیش کر چکے ہیں، غالب صدی کی تقریب سے انھوں نے "بھوپال اور غالب" پر بھی ۱۲۸ صفحے کی کتاب کا مواد سلیقہ سے فراہم کر لیا، اور مندرجہ ذیل عنوانات سے اس موضوع پر گفتگو کی ہے:

"بھوپال آنے کی دعوت۔ بھوپال اور تلامذۂ غالب۔ بھوپال میں غالب کے ملنے والے۔ خمسہ بر غزلیات غالب۔ نمونۂ مغلوبیت غالب۔ نسخۂ حمیدیہ۔ سہا مجددی، اور مطالب الغالب۔ ایک غزل"۔

پہلا باب دراصل نسخۂ حمیدیہ والے باب ہی کا ایک ٹکڑا سمجھنا چاہیے۔ دوسرے کا مطلب "غالب کے بھوپالی تلامذہ" لیجیے اس میں اور کا اضافہ جانے بوجھ کے ہے۔ ان تلامذہ میں رفعت، شوکت۔ تمہیر رامپوری، مکیش محوی دہلوی، جوہر شاہجہانپوری، زکی مارہروی۔ عزیز بنارسی۔ عرشی قنوجی۔ تمنا مرادآبادی۔ عزیز صفی پوری، اور شریف کا تذکرہ ہے۔ یہ دوسری جگہ کے شاعر وہ ہیں جو کسی نہ کسی سبب سے بھوپال میں مقیم رہے یا بس گئے۔ تلامذہ پر اتھارٹی مالک رام اس پورے باب کا اہم ماخذ ہیں جس کا کتاب میں اظہار کر دیا گیا ہے۔ تیسرے باب میں نواب صدیق حسن خاں اور امجد علی اشہری کا تذکرہ ہے۔ غالب کی غزلوں پر بیگم ثروت اور نفیس نے بھوپال میں جو خمسے لکھے، یہ چوتھے باب کا موضوع ہے۔ پانچواں باب دلچسپ ہے رشنکر پرشاد جوش (ساکن بھوپال) نے یہ اردو رسالہ لکھا ہے جس میں غالب پر اعتراضات کیے گئے ہیں۔ یہ صدیق حسن خاں کے زمانے میں شائع ہوا۔ اس رسالے کا پورا متن دے دیا گیا ہے۔ اس میں ان کی فارسی لغات میں مہارت کے خلاف ثبوت دیے ہیں، اور خطوط میں جو خوشامدیں کرتے ہیں اُسے برا بتایا ہے۔ اگلے باب میں نسخۂ حمیدیہ اور مجنوری کی داستان ہے اور اس کے بعد سہا اور ان کی شرح پر دو صفحے ہیں جو زیادہ ہونے چاہیے تھے؛ اس میں سہا پر تفصیلی مضمون ہوتا، اور ان کی شرح پر صرف ایک شعر کا نمونہ دیا ہے۔ آخر میں وہ اپریل فول غزل دی ہے :

"بھوپال میں مزید جو دو دن قیام ہو"

جو نسخہ مالک رام، اور پھر نسخہ عرشی تک میں شامل ہوتی چلی گئی، تا آنکہ ڈاکٹر گیان چند نے اس کی حقیقت کا انکشاف کیا۔"

کتاب مفید ہے، لیکن جیسا کہ میں نے کہا بعض وہ امور جن پر زیادہ زور دیا گیا اتنی اہمیت دینے کے مستحق نہ تھے، جن کے مقابلے میں بعض دوسری باتیں زیادہ تفصیل طلب تھیں۔ مثلاً "تلامذہ غالب" غالبیات کے سلسلہ میں ثانوی اہمیت رکھتا ہے، اول درجہ خود غالب کے مطالعہ کا ہے، اور اسی لیے تلامذہ پر ستر صفحے اور رسہا اور ان کی "مطالب الغالب" پر بمشکل ۲ صفحے کتاب کے اگلے ایڈیشن میں نظر ثانی کے طلبگار ہیں۔

## قاطع برہان و رسائل متعلقہ

۳۰۰ صفحات کی قاضی عبدالودود صاحب کی مرتبہ یہ کتاب غالب کے ان تمام کتابچوں اور پمفلٹوں کا احاطہ کرتی ہے جو برہانِ قاطع اور پھر قاطع برہان کے سلسلہ میں لکھے گئے۔ یہ مجموعہ پہلی جلد کے طور سے شائع ہوا ہے۔ جس میں قاطع برہان، سوالات عبدالکریم، لطائف غیبی، نامۂ غالب اور تیغ تیز شامل ہیں۔ دوسری جلد میں انھیں کتابوں سے متعلق "مختلف آرار" ہونگی، "غالب کے وہ حواشی ہوں گے جو قاطع برہان وغیرہ پر لکھے تھے"۔ (غالباً وہ حواشی ہوں گے جو برہانِ قاطع، نسخہ لوہارو پر پائے جاتے ہیں:) "اور بعض خطوط بھی جن کا تعلق قاطع برہان سے ہے"۔ "دونوں جلدوں کا مقدمہ، حواشی اور اشاریات وغیرہ" بھی اسی دوسری جلد میں آئیں گے۔

سوالات عبدالکریم کو قاضی صاحب غالب ہی کی تصنیف خیال کرتے ہیں۔ یہ ٹونک کے منظور الحسن صاحب برکاتی نے اس کے مصنف کا سراغ لگایا ہے، جو

ٹونک کے رہنے والے تھے، اور ان پر "آج کل" کے غالب نمبر میں مفصل مضمون لکھا ہے۔ تاہم غالب نے اس قضیہ میں جس طرح بوکھی لڑی ہے، اس سے یہ بعید نہیں ہے کہ میاں داد خاں سیاح (لطائف غیبی) کی طرح میاں عبدالکریم کے نام سے کچھ ایک لکھ دیا ہو۔ کتاب کا گیٹ اپ قابل داد ہے۔

## اصحار الغالب

۸۸ صفحے کا یہ کتابچہ دراصل غالب کے سسرالی رشتے سے خاندان لوہارو کا مختصر تعارف ہے جو صاحبزادہ ناصرالدین احمد خاں عرف خسرو مرزا نے لکھا ہے یہ نواب امین الدین احمد خاں کے حقیقی پرپوتے ہیں۔ (مرزا غالب کی بیوی امین الدین احمد خاں کی حقیقی چچازاد بہن تھیں)۔

شروع میں پنجاب اسٹیٹ گزیٹیر سے ریاست لوہارو اور اس کے حکمراں خاندان کے بارے میں جو لکھا ہے اس کا ترجمہ دے دیا ہے (جس میں ایک جگہ شاہ اودھ نصیرالدین حیدر کو انگریزی حروف کی وجہ سے نواب ناصرالدین لکھ دیا گیا ہے؛ تصحیح کر لیجئے) اس میں بعض کام کی چیزیں نظر آئیں:

(۱) مرزا نصراللہ بیگ کے احوال میں یہ بھی لکھا ہے کہ نواب احمد بخش خاں کی ہمشیرہ کا نکاح مرزا نصراللہ بیگ سے ہو گیا۔ ان کے بطن سے فتح اللہ عرف رجب بیگ پیدا ہوئے تھے۔

(۲) عسکری بیگم نواب سید رضا علی خاں سے منسوب ہوئیں جو جرنل عظیم الدین احمد خاں کی نواسی ہیں۔ خسرو مرزا کی ہمشیرہ عالیہ سلطان بیگم کی شادی سر عبدالصمد خاں کے ساتھ ان کی پہلی بیوی کے بعد ہوئی، اس طرح بیگم رضا علی خاں خسرو مرزا کی سوتیلی بھانجی ہوئیں۔

(iii) نواب علائی کے حالات تفصیل سے دیئے ہیں۔ ان کے بیٹے امیر الدین احمد خاں عرف فرخ مرزا تھے؛ اور ان کے بیٹے اعز الدین احمد خاں اعظم مرزا کے بیٹے امین الدین احمد خاں (ثانی) عرف شہریار مرزا ان کے جانشین ہوئے۔

(۱۷) "امراو" بیگم کی کوئی اولاد زندہ نہ رہی۔ ان کی ہمشیرہ بنیادی بیگم جو نواب غلام حسین خاں مسرور نبیرہ نواب قاسم خاں کی منکوحہ تھیں، ان سے زین العابدین خاں عارف اور حیدر حسن خاں پیدا ہوئے۔

(۷) عارف کے بیٹے باقر علی خاں کامل اور حسین علی خاں شاداں تھے۔ باقر علی خاں کی بیوی معظم زمانی تھیں۔

(۲۱) آخر میں "مرزا کی آخر زندگی" کے عنوان سے سُنے سُنائے حالات غالب کے لکھے ہیں۔

بقول خود یہ کتاب مصنف نے ضعفِ بصارت کے سبب بول کر لکھوائی ہے اور نظرِ ثانی بھی نہیں کر سکے ہیں۔ اس لیے عمر کے تقاضے کے تحت متعدد غلطیوں کا امکان ہے۔ اسی لیے بیانات کو قبول کرنے سے پہلے پرکھ لینا چاہیے۔ جو شجرے دیے ہیں، وہ البتہ معتبر ہیں اور اہم ہیں۔ شجرہ مرزا غالب (۲) شجرۂ نبی بخش خاں برادرِ نواب احمد بخش خاں (اس سلسلہ کی ایک خاتون کا نکاح اول حسین علی خاں شاداں سے ہوا)۔

(۳) شجرۂ خاندان لوہارو اور (۴) شجرۂ عارف۔

آخری شجرہ کا ایک سلسلہ دلچسپی کا باعث ہوگا۔

عارف ← باقر علی خاں کامل (اہلیہ معظم زمانی عرف بگا بیگم) ← قمر سلطان بیگم۔ عرف پھین زوجہ کرنل زیڈ اے احمد ← فخر الدین علی احمد

حمیدہ، سلطان احمد وغیرہ

اور اس کتابچہ کے مصنف کا شجرہ اس طرح ہے:۔

عارف — باقر علی خاں کامل — فاطمہ سلطان بیگم زوجہ بشیر الدین احمد خاں — خسرو مرزا وغیرہ

## تصویر کا دوسرا رُخ

نادان محل روڈ (لکھنؤ) سے تجسس اعجازی نے یہ کتاب شائع کر کے ایک فرض کفایہ ادا کیا ہے۔ ۱۶۰ صفحے کی اس کتاب میں یگانہ، اثر لکھنوی، عبدالسلام ندوی۔ نظم طباطبائی۔ عبدالباری آسی، آرگس اور نیاز کی وہ مطبوعہ تحریریں جمع کر دی گئی ہیں جن میں غالب پر نکتہ چینی ہے، صرف نکتہ چینی غالب کے طالب علموں کے لیے یکوئی نئی چیز نہیں ہے، عوام کے لیے البتہ نئی کتاب بھی نیا پہلو بھی!

## مزاحیہ شرح دیوان غالب

۵۰۰ صفحات پر مشتمل بہت دلچسپ شرح ہے۔ فرقت کاکوروی نے لکھی ہے اور ادارہ فروغ اُردو لکھنؤ نے شائع کی ہے۔ فرقت کے اپنے رنگ میں ڈوبی ہوئی خاصے کی چیز ہے۔ مزاحیہ چیز ہے اس لیے پورے طور پر ہمارے اس سلسلہ میں نہیں کھپتی، لیکن، یہاں اس لیے ذکر ہوا کہ بہرحال شرح کا ایک پہلو یہ بھی ہوا۔ اور حالی کے پہلو دار کے کیا پہلو نکلتے آرہے ہیں! پھر بہرحال بنیاد تو کلام غالب ہی ہے، محض ہوا میں تو کوئی بات بھی نہیں کہی ہے!

شرح تمام کلام کی نہیں، صرف منتخب غزلوں کی ہے۔

## "شاعر" غالب نمبر

جس طرح کتابوں میں ڈاکٹر یوسف حسین خاں کی "غالب اور آہنگِ غالب" ممتاز ہے، اسی طرح رسالوں کے نمبروں میں "شاعر" کا غالب نمبر، جس نے بہت سے فضول مضامین شامل کرنے کے باوجود بہمہ جہت، مفید اور کارآمد مواد پیش کیا ہے۔ چھ سو صفحوں پر مشتمل اس نمبر کی جان ظ، انصاری کا مقالہ "غالب کی کہانی" ہے جس میں تجزیاتی انداز میں ٹھہر ٹھہر کر، سمجھ سمجھ کر غالب کی سوانحِ عمری بیان کی ہے، اور اہم بات یہ ہے کہ ظ، انصاری کا اپنا مخصوص اسلوب کہیں نہیں چھوٹتا ہے، ایسا موضوع ہونے کے باوجود! غالب کو سمجھنے کے لیے یہ مقالہ آئندہ ہمیشہ کام دیتا رہے گا۔

"غالب کے شعروں کی اردو" (سہیل بخاری) دوسرا دلچسپ اور بہت اہم مضمون ہے:

"غالب کو فارسی کا چسکا پڑا ہوا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ غالب بہت دنوں تک اردو کے پورے پورے شعر بھی فارسی ہی میں سوچتے رہے"۔ اس قسم کی بہت اچھی مثالیں دینے کے بعد دوسرے حصے میں غالب کی دلّی کی اردو کے استعمالات دیے ہیں اور اس ذیل میں ان کی کچھ غلطیاں بھی؛ اس ذیل میں ہریانی کو بھی سامنے رکھا ہے جس کا دلّی پر اثر تھا، اور نتیجہ یہ نکالا ہے کہ "آج اردو میں غالب کے نام کا ڈنکا بج رہا ہے، پر اس میں انھوں نے دلّی کی بول چال استعمال کی ہے جو اردو کے ٹھیٹھ محاورے میں ہریانی کا پٹ ملانے سے بنی ہے"۔

تیسرا اہم مضمون "کچھ نسخۂ حمیدیہ کے بارے میں" (ابو محمد سحر) ہے، جس سے پتا چلتا ہے کہ بجنوری (م، نومبر ۱۹۱۸ء) نے نسخۂ حمیدیہ بھوپال کو سامنے رکھ

کر محاسن کلام غالب نہیں لکھی تھی، بلکہ محض متداول دیوان ان کے پیش نظر تھا۔ یہ نسخہ تبصرہ لکھنے کے بعد انہیں ملا (۲) یہ کہ نسخہ حمیدیہ ان کا مرتبہ نہیں ہے۔ مفتی انوار الحق بلا شرکت غیرے اس کے مرتب ہیں اور بجنوری کا مقدمہ بھی از خود مفتی صاحب نے شامل کر لیا تھا اس طور پر کہ اس کے اصل متن سے آخر میں تقریباً ۹ صفحے کم کر دیئے ہیں، اور ایزادی پہلو یہ ہے کہ وحدت الوجود پر بجنوری سے اختلاف کرتے ہوئے مفتی صاحب نے اپنا ایک طویل حاشیہ بھی شامل کر دیا ہے۔ یہ بھی دلچسپ بات ہے کہ اس کے ایک ہی ایڈیشن کے دو سرورق ملتے ہیں۔ ایک میں صرف مفتی صاحب کو مرتب ظاہر کیا گیا ہے، دوسرے میں "مع مقدمہ دیوان ... بجنوری ..." کا اضافہ ہے

---

—— اور آخری بات یہ کہ مطبوعہ نسخہ حمیدیہ محض نسخہ بھوپال نہیں، بلکہ اس نسخہ متداول دیوان، اور کچھ دوسرے مطبوعہ کلام کا مجموعہ ہے جسے مفتی انوار الحق ڈائرکٹر تعلیمات بھوپال نے مرتب کیا اور جو مفید عام پریس آگرہ میں طبع ہو کر ۱۹۲۱ء میں شائع ہوا۔

انھیں مفتی صاحب پر سید حامد حسین نے ایک علحدہ مضمون ("نسخہ حمیدیہ کے مرتب") تفصیل سے لکھا ہے اور ایک اہم کمی کو پورا کیا ہے۔

"غالب کی عملی سوجھ بوجھ فن کے آئینہ میں" (عصمت جاوید) میں غالب کا PRAGMATIC پہلو بڑی خوبی سے واضح کیا گیا ہے۔ غالب کا آہنگ شعر (مغنی تبسم) میں غالب نے جو بحریں استعمال کی ہیں ان کا احاطہ کرنے کے بعد ان کے دلچسپ نتائج نکالے گئے ہیں، مضمون کا بقیہ حصہ آہنگ شعر کو نئی لسانیاتی سائنس کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی ہے جو خاطر خواہ اثر چھوڑتی ہے۔

"غالب کے کلام میں تحریف و تصرف" نادم سیتاپوری کا ایک اہم مضمون ہے جس میں مطبوعہ نسخۂ حمیدیہ کا ایک محرّف شعر مثال میں پیش کر کے اصل گفتگو شوکت میرٹھی شارح کلام غالب کی شرح کی نوعیت اور ان کی تحریفات پر ہے (مضمون کا عنوان بھی کچھ اسی قسم کا ہونا چاہیے تھا)۔

"غالب اور اردو خطوط نویسی" (گووندا اس خموش سرحدی) میں پنڈت برج کیفی کے ایک مقالہ (مشمولۂ آئینۂ غالب) کے اس نظریہ پر تنقید کی ہے کہ ماسٹر رامچندر غالب کے پیشرو تھے۔ بعض اور باتوں کی بھی گرفت کی ہے۔

خبیر بھوروی نے "کچھ رنگین تصویر کے بارے میں" کے عنوان سے غالب کی اس تصویر پر گفتگو کی ہے جو کتاب خانۂ حبیب گنج کی زینت تھی (اور ۲۸۱ء میں غالب کی زندگی میں بنائی گئی تھی!) اور اب کتاب خانہ کے علی گڑھ منتقل ہونے کے بعد وہاں سے غائب ہو چکی ہے۔ خبیر صاحب اس کا عکس اپنے مرقع میں چھاپ چکے ہیں۔ مالک رام صاحب کے خیال میں یہ تصویر مصدقہ ہے، مگر مولوی عبدالحق صاحب اسے صحیح نہیں سمجھتے تھے۔ مضمون کے آخر میں خبیر صاحب نے یہ اطلاع بھی دی ہے کہ عبدالرحمٰن بجنوری والے نسخۂ دیوان غالب کا اصل مسودہ ان کے پاس محفوظ ہے۔

غالب کا کلام جدید میزان پر (کرامت علی کرامت) غالب کا دلچسپ اور جمیل مطالعہ ہے۔ "سید حسین اور غالب کے انگریز ممدوح" کے عنوان سے حامد اللہ ندوی نے سید حسین والے ممدوحوں کا سراغ لگایا ہے اور ایک دلچسپ نکتہ دیا ہے: "سید حسین کو غالب کی فارسی شاعری میں وہی درجہ حاصل ہے جو ان کی فارسی نثر میں دستنبو کو حاصل تھا۔ دونوں تاریخی اہمیت کے زیادہ حامل ہیں اور ادبی اہمیت کے کم۔" اور وہ تاریخی اہمیت یہی ہے کہ انگریزوں کے شک و شبہہ کو دھونے کے لئے انھوں نے دونوں کام کیے، یہ قصیدے بھی لکھے اور ان کو خاص اہتمام سے شائع کیا۔

بقیہ مضامین یہ ہیں :-

جہانِ غالب (قاضی عبدالودود) غالب کی استادطبع (سروری)۔ غالب اور حافظ (سعید اکبرآبادی) غالب اور فنِ شعر (مہر محمد خان شہاب) مرزا غالب کا مذہب (میکش اکبرآبادی) غالب کے طرفدار نہیں (مسیح الزماں) غالب کی شاعری میں نرگسیت (سلام سندیلوی) تجزیۂ غالب، کمی ترجیح (ماہرالقادری) غالب شاعرِ امروز و فردا (فرمان فتحپوری) مرزا غالب کے دوست، میر تفضل حسین خاں (منظورالحسن برکاتی) غالب اور تصورِ محبوب (عطا محمد شعلہ) غالب کی غزلیہ شاعری میں شہر دلی کا سماجی پس منظر (ذکارالدین شایاں) یار محمد خاں شوکت، غالب کے ایک شاگرد (عبدالقوی دسنوی) عروض اور غالب (سید مبارک علی) غالب، شاعرِ تصوف (محمد محفوظ الحسن) غالب کے مزاج کے بنیادی عناصر (سید علی رضا حسینی) غالب کا دربار اور خلعت (عرشی) غالب کا ذوقِ تماشا، (وزیر آغا) اُردو شاعری کے دو رجحانات: میر و غالب (بشر نواز) غالب کی انا، غالب کے آئینہ میں (نامی انصاری) غالب میرے عہد کا شاعر (ندا فاضلی) غالب اور جدیدیت (منان طرزی) کلام غالب میں شعری پیکر تراشی (فضیل جعفری) غالب کے کلام میں طنز کا پہلو (رشید الدین) تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو۔ (خواجہ شمیم الدین) غالب اور غدر (مناظر عاشق ہرگانوی) حکایاتِ خونچکاں (صالحہ عابد حسین) غالب کی تشبیہیں اور استعارے (میمونہ دلوی) غالب کی شخصیت (زرینہ ثانی) مغنیِ آتش نفس (عفت موہانی) ایک محشرِ خیال (شمیم صادقہ) غالب کی شخصیت اس کے مقطعوں میں (رفیعہ شبنم عابدی) غالب ایک گفتگو (عمیق حنفی، شمیم حنفی۔ سید وقار حسین) ذکر غالب (قمر رئیس، شارب ردولوی، شہاب جعفری، محمد حسن)

شرح حسرت موہانی (احمد لاری) شرح سیماب اکبرآبادی (اعجاز صدیقی)، شاعری بادِ نفس اور نکہت گُل (احتشام حسین) کلامِ فارسی کی تدوین طباعت (امتیاز علی عرشی) نسخۂ عرشی، کچھ اشعار کی قرائتیں (گیان چند) انتخاب غالب اردو (مرتبہ اعجاز صدیقی) انتخاب غالب (مرتبہ سکندر علی وجد) ــــ اور آخر میں انتخاب فارسی ہی کی طرح ایک گمراہ کن غالب نما جس پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا۔ مزاحیہ مضامین شفیقہ فرحت، کنھیا لال کپور، یوسف ناظم۔ فکر تونسوی آغا رشید مرزا۔ بھارت چند کھنہ، اختر بستوی اور انجم عرفانی کے ہیں۔ اور ڈرامے یا فیچر مالک رام، منجو قمر، ابراہیم یوسف، اظہر افسری اور حاوی کاشمیری کے۔

اقبال نے ۱۹۱۰ء میں اپنی ڈائری میں ایک دلچسپ اندراج یادگار چھوڑا ہے، جسے شاعر نے نقل کر لیا ہے:۔

"جہاں تک میری نظر کام کرتی ہے، ہم ہندستانی مسلمانوں میں سے اگر کسی نے مسلمانی ادبیات میں مستقل اضافہ کیا ہے تو وہ فارسی کے مشہور شاعر مرزا غالب ہیں۔ وہ دراصل اُن شاعروں میں سے ہیں جن کے ادراک اور تخیل کی بلندی انھیں عقیدے اور ملت کی حدود سے بالاتر مقام عطا کرتی ہے۔ ان کی قدرشناسی کا دَور آنے والا ہے۔"

غالب کی پہلی تصویر جو ان کی زندگی ہی میں کلیاتِ فارسی طبع دوم میں (نولکشور) میں ۱۸۶۳ء میں لکھنؤ میں چھپی تھی: "شبیہہ مبارک نجم الدولہ دبیر الملک اسد اللہ خاں بہادر نظام جنگ المتخلص بہ غالب مدظلہٗ" (کھڑے ہوئے قصیدہ پڑھ رہے ہیں۔)

لال قلعہ کے عجائب خانہ والی تصویر جو غالب نے کسی مصور سے بنوا کر بہادر شاہ ظفر کو پیش کی تھی۔ (گاؤ کے سہارے حقہ کی نے ہاتھ میں لیے ہوئے) "رحمت علی فوٹو گرافر کی کھینچی ہوئی وہ تصویر جو مرزا کے انتقال سے چند دن (ماہ!) پہلے کی ہے"۔ اور خیر بھوروی کے توسط سے حبیب گنج کی گمشدہ تصویر کے عکس کا عکس جو شروانی صاحب مرحوم نے ۱۸۹۸ء میں خریدی اور جس پر ۱۲۸۲ھ کی تاریخ لکھی ہے۔ یہ تصاویر غالب کی تصانیف کے سرورق کی تصویروں کے ساتھ اس نمبر کی زینت ہیں۔

## جامعہ کا غالب نمبر

ضیاء الحسن فاروقی اور عبد اللطیف اعظمی

دو سو صفحات پر مشتمل جامعہ کا نمبر نکلا ہے، جس کے سرورق پر جامعہ میں غالب کا جو مجسمہ بن رہا ہے اس کی تصویر ہے۔ (اس مجسمہ پر ایک سخت تنقیدی شذرہ ابھی پچھلے دنوں صدق جدید میں شائع ہو چکا ہے۔)

کئی چیزیں تو خاصے کی ہیں۔ مجیب صاحب نے غالب کے اشعار کا انگریزی ترجمہ کیا تھا جو ساہتیہ اکادمی شائع کر چکی ہے؛ اب جامعہ کے لیے انھوں نے "ایک مترجم کی سرگزشت" کے عنوان سے ایک دلچسپ مضمون لکھا ہے۔ مجیب صاحب نے دراصل اپنے ترجمے کے لیے نسخۂ حمیدیہ کے مشکل اشعار زیادہ لیے ہیں جن میں انھیں انگریزوں کے ذوقِ شعری کی تسکین کی صورت نظر آتی رہی ہے۔ حالانکہ خود ان کے بقول ہی "غالب کے بہت سے مشکل اشعار ہیں جن میں گمان ہوتا ہے کہ مغز ہے، مگر دراصل نہیں ہوتا" اور "جن ــــ کا مغز ایسے سخت خول کے اندر ہوتا ہے کہ اس کے کم یا زیادہ ہونے کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا"۔ اس مضمون کو سامنے رکھ کے مجیب صاحب کی انگریزی کتاب کا مطالعہ زیادہ دلچسپ ہو جائے گا، اور یہ بات نکھر کے سامنے آ جائے گی کہ مجبوری سلسلہ ختم نہیں ہوا ہے!

اور جب تک انسانی ذہن کا ارتقا جاری ہے ختم بھی کیوں ہو؟

ضیاء الحسن فاروقی نے غالب کی فارسی شاعری پر تفصیل سے لکھا ہے جو اپنے پھیلاؤ میں رسالہ کا تقریباً ½ ہے۔ ٹھیک بھی ہے۔ کیونکہ فارسی پر نیاز فتحپوری، اور ان کے "بعض ساتھیوں کے" بار بار توجہ دلانے کے باوجود غالب پسندوں نے اس کی فارسی شاعری کو زیادہ تو کیا "معمولی سا بھی قابل اعتنا نہیں سمجھا بعض بیانات اس مضمون کے البتہ محل نظر ہیں؛ مثلاً بلا شبہہ امیر خسرو کے بعد ہندستان میں فارسی زبان کا اتنا بڑا شاعر پیدا نہیں ہوا۔ فیضی، عرفی، نظیری، ظہوری، صائب بیدل، بھی بڑے شاعر تھے، لیکن غالب نے ...... جس طرح اپنے کمال فن کا مظاہرہ کیا وہ ان شعرار کے یہاں نہیں" یا "ہم کون ہیں جو یہ کہیں کہ مرزا کی فارسی شاعری کے مقابلہ میں اس کا اُردو کلام بلند ہے؟ کوئی معقول وجہ نہیں کہ اپنی شاعری کے بارے میں ہم اس کی اپنی رائے ٹھکرا دیں۔"

فارسی شاعری کی اہمیت کی وجوہات مقالہ نگار کے نزدیک قریب، قریب اس طور پر ہیں:-

(۱) ان اشعار سے اندازہ ہوتا ہے کہ "اس کی اَنا بہت بیدار تھی۔"

(۲) "وحدت الوجود" کا نظریہ ملتا ہے۔

(۳) "تغزل" ملتا ہے جو محبوب کا جو نفسیاتی تجزیہ اور اس کے کردار کی بوقلمونی کی جو نادر تصویر ہمیں غالب کے یہاں ملتی ہے، وہ کہیں نہیں دیکھنے میں آتی؛ اس لحاظ سے وہ (بیدل، جلال، اسیر، غنی، نظیری وغیرہ سب میں) منفرد اور یکتا ہے۔" مجموعی طور سے "یہ فارسی شاعری کا ایک AYMAN کے لیے تفصیلی تعارف ہے،" اسی لیے بار بار تفصیلی نمونے بھی دیئے گئے ہیں۔ دو جملے اس مضمون میں بہت

اہم آگئے ہیں :۔

"اس کے اشعار میں زندگی کو برتنے کی آرزو ملتی ہے۔" اور
"غالب نے بعض قصیدوں میں ملکہ معظمۂ انگلستان، اور انگریزی حکام کی مدح سرائی کی ہے، اس پر دل دکھتا ہے، اور جی چاہتا ہے کہ کاش اس کے قلم سے یہ چیزیں نہ نکلتیں، زمانے کے ہاتھوں آدمی کو اتنا مجبور بھی نہیں ہونا چاہیے۔"

عابد صاحب کا مختصر تشریحیہ "بازیچۂ اطفال ہے دُنیا مرے آگے" اس نمبر کی جان ہے، جس میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ غالب کے اس رویہ یا نظریے کی تشریح ہوگئی ہے۔ "تشریح ہو گئی ہے" میں نے اس لیے کہا کہ خود مقالہ نگار کا منشا اس کے برعکس بات ثابت کرنا تھا کہ "غالب کے کلام کا وہ رنگ جس کی نمائندگی اس گفتگو کے عنوان سے ہوتی ہے ان کا اصلی رنگ نہیں ہے، بلکہ ان خیالات کا عکس ہے جو ان کے زمانے میں اور ان کے ماحول میں عام تھے"؛ حالانکہ میرے خیال میں تماشا غالب کی طبیعت کا اہم رُخ تھا، اور اس لیے ان کی شاعری کا بھی ایک اہم رنگ!

یہ تماشا کرنے کی بات جو عنوان والے شعر میں بھرپور انداز میں آئی ہے، غالب کے ایک اور شعر میں بھی خوب آگئی ہے؛

حسد سے دل اگر افسردہ ہے گرمِ تماشا ہو
کہ چشمِ تنگ شاید کثرتِ نظارہ سے وا ہو

تلاش سے غالب کے یہاں اس سلسلہ میں متعدد شعر مل جائیں گے۔ اور یہ تماشا غالب کے یہاں منفی نہیں، مثبت قدر کی نوعیت لیے ہوئے ہے، اس لیے اس کی اہمیت ہے۔

دوسری طرف روش صدیقی کی نظم بھی اتنی ہی اہم ہے :

یہاں سے شورشِ میخانۂ حیات چلی ... وہیں سے غالبِ آشفتہ سر کی بات چلی

اور پھر :-

رکا ہے وادیٔ دانش میں قافلہ غم کا          یہی تو وقت ہے حسنِ شعورِ آدم کا

ہمارے ہاں غزل کی کلاسیکی روایات کو غالبانہ انداز میں، جذبہ اور فکر کے ٹھیک اُسی تناسب کے ساتھ، اور غزل کی تاریخی علامات کے ساتھ، اصغر کے بعد اُردو میں روش کی طرح کسی اور نے اس حسن اور کامیابی کے ساتھ نہیں برتا۔ شاید اسی لیے وہ غالب پر ایسی اچھی نظم بھی کہہ سکے۔

"تقریظ آئینِ اکبری" پر اپنے نوٹ میں ضیاء الحسن فاروقی نے ایک دل چسپ بحث چھیڑی ہے :۔ یہ کہ، یہ محض کلکتہ کے قیام کا اثر نہیں، بلکہ خود غالب کی دلّی بھی بدل رہی تھی۔ خصوصاً یہاں کا قدیم دہلی کالج، اور نئے علوم کی ترویج کے لیے بعض سوسائٹیاں۔ یہ ٹھیک بات ہے، لیکن بنیاد بہرحال سفرِ کلکتہ ہی رکھیے تو بہتر ہے۔ جوانی میں جو اثرات ذہن قبول کرے، وہ بڑھاپے تک جوان رہتے ہیں اس لیے یہ بات کہ "غالب نے ۱۸۳۰ء سے پہلے کلکتہ میں جو کچھ دیکھا تھا اور اس سے جو اثر قبول کیا تھا وہ ایک عرصہ کے بعد تقریظ کی صورت میں ظاہر ہوا" مقالہ نگار کو ٹھیک نہ معلوم ہوتی ہو، لیکن ہے اسی طرح کی بات۔ مزید تقویت کے طور پر آپ دہلی کالج کو ضرور رکھ سکتے ہیں، اور اس لحاظ سے اہم نکتہ دیا ہے۔

"غالب کی فارسی نثر" (امیر حسن نورانی)، "شوخیٔ اندازِ گفتار" (منظر اعظمی) "غالب اور غالب فہمی" (عنوان چشتی) "غالب کا کلام: نفسیاتی زاویہ" (عبداللہ ولی بخش قادری) "غالب ارضیت اور عینیت کی کشمکش میں" (انور صدیقی) اس نمبر کے بقیہ تنقیدی مضامین ہیں۔ عبد القوی دسنوی نے "یکے از تلامذۂ غالب" بھوپالی شاعر ابو الفضل محمد عباس، رفعت شروانی کا تعارف کرایا ہے۔ یہ مضمون ان کی

کتاب" بھوپال اور غالب" میں بھی آگیا ہے۔ (اس کتاب کے بارے میں مولانا
"شبلی ۔ منکر غالب" کے عنوان سے شعیب اعظمی نے ایک دلچسپ موضوع
ڈھونڈھ نکالا ہے۔ 'تحقیقات' میں: اردوئے معلیٰ کا نسخہ ٹائپ میں کلکتہ
میں چھپا ہوا ۱۸۶۳ء کا ایڈیشن' اور ـــــ عود ہندی کا پہلا ایڈیشن
جس کا تعارف محمد ذاکر اور عبداللطیف اعظمی نے کرایا ہے اور قیصر زیدی کا'
ذاکر صاحب: کے علاوہ دیوان کے ایک اور جرمن ایڈیشن کا تعارف (اول الذکر
دونوں مضمونوں کی طرح اس کے ساتھ بھی سرورق کا فوٹو ضروری تھا۔)
اور متفرقات میں: "غالب: اہم تاریخیں" (عبداللطیف اعظمی) اور اردو
کی این ماریہ شمیل کی رائے غالب کے بارے میں ـــــ یہ اس نمبر کی بقیہ
چیزیں ہیں۔

یہ نمبر مجموعی حیثیت سے بڑا صاف ستھرا روشن، دیدہ زیب، اور
اب تک کے تقریباً تمام نمبروں سے بہتر ہے، لیکن اور بہتر ہو سکتا تھا، اگر
کوشش یہ ہوتی کہ یہ نمبر غالب کا ایک بھرپور مطالعہ بن سکے؛ لیکن اس
کے لیے وقت کا سوال ہے، اور یہ وہ جنس ہے جو موقت الشیوع مطبوعات کو میسر
نہیں ہوتی۔

---

# GHALIB STUDIES

1

Abid Raza Bedar

Rampur Institute of Oriental Studies
1969